Majallah-e-Tahqiq (ISSN 1991-699X)
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 44, Sr. No.133, 2023 pp 63 - 72

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۴۴، شمارہ ۱۳۳، اکتوبر۔دسمبر ۲۰۲۳ء

# لاہور کا تہذیبی پس منظر اور میلہ چراغاں

☆ ڈاکٹر عرفان الحق

**Abstract:**

Lahore has been of special importance in its geographical, political, economic, cultural, academic, literary and social status since ancient times. This city also has been famous for mosques, shrines, tombs, samadhies, temples, cemeteries, historical buildings, ancient mansions and lost memories. Historically, "Lahore" has been the name of a small town, a city and a province. Where Lahore had the honor of being a city of commercial, scientific and literary importance in India, it was also the place of various civilizations and cultures. It has also been the center of governments, movements and religions. Nothing can be said definitely about the first establishment of Lahore as a city. However, historians and researchers have definitely established their opinions in this regard. In present research paper those opinions have been critically analyzed. The annual Urs of Lahore's ancient Sufi poet Hazrat Shah Hussain Lahori and his disciple Hazrat Madhu Lal Qadri is celebrated not only as a religious devotion and respect but also as a cultural festival. Before the partition, the festival held on the occasion of the annual Urs of Madhu Lal Hussain was the largest cultural gathering of united India. Now it is an important cultural and religious event of Pakistan. In present article different aspects of the topic have been discussed in detail.

لاہور عہد قدیم سے اپنی جغرافیائی، سیاسی، معاشی، ثقافتی، علمی، ادبی اور معاشرتی حیثیت میں خاص اہمیت کا حامل رہا ہے۔ یہ شہر مساجد، مزارات، مقبروں، سمادھیوں، مندروں، قبرستانوں، تاریخی عمارات، قدیم حویلیوں اور گم گشتہ یادوں کے حوالے سے بھی مشہور ہے۔شہر لاہور قدیم تہذیبوں، پر جوش

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، ادارہ پنجابی سلیکھ تے رہتل، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

تحریکوں، علمی مذاکروں، مذہبی مناظروں، صوفیانہ ریاضتوں، اور ادبی بصارتوں کا گہوارا بھی ہے۔ اسے باغات، پھولوں، پھلوں، خوشبوؤں، رنگوں اور روشنیوں کا مرکز بھی کہا جاتا رہا ہے۔ یہ شہرِ زندہ دلاں بھی کہلاتا ہے۔تاریخی اعتبار سے ''لاہور'' ایک چھوٹے سے قصبے، شہر، ضلعے اور صوبے کا نام بھی رہا ہے۔ جہاں لاہور کو ہندوستان کا تجارتی، علمی اور ادبی اہمیت کا شہر ہونے اعزاز حاصل رہا وہیں یہ مختلف تہذیبوں، ثقافتوں، حکومتوں، تحریکوں اور مذاہب کا مرکز بھی رہا۔

یہ ہندوستان کے اُن چنیدہ شہروں میں سے ایک ہے جن میں وقوع پذیر ہونے والے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور تمدنی وتہذیبی حالات وواقعات اور اُن کے اثرات پورے ہندوستان کو متاثر کرتے تھے۔ جب مرکزی حکومتیں دہلی میں قائم یا تبدیل ہوتی تھیں، لاہور کے حالات اُن پر بلواسطہ یا بلا واسطہ نہایت غیر معمولی انداز سے اثر انداز ہوتے تھے۔جن ادوار میں لاہور پایہ تخت رہا تمام ملک کی قسمت کے فیصلے یہیں سے صادر ہوکر نافذ العمل ہوئے۔شہر لاہور کی عسکری اہمیت کا تذکرہ کرتے ہوئے سیّد محمد لطیف (1850ء۔1902ء) نے لکھا:

> یہ شہر شمالی ہندوستان کا ناکا اور ایشیاء کی الوالعزم قوموں کا طبعی پھاٹک ہے جس نے شمالی ملکوں میں سر اُٹھایا اور ہندوستان پر آنکھ ڈالی۔(۱)

قبل از مسیح پنجاب، کشمیر، افغانستان، وسطی ایشیاء اور ان کے چہار اطراف میں بدھ مت کا غلبہ تھا۔ بدھ مت کے زمانے میں شہر لاہور کی بابت کچھ معلومات اگرچہ میسر نہیں ہیں البتہ یہ بات طے ہے کہ یہ علاقہ گنجان آباد تھا اور بدھ مذہب کو یہاں خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے سوا تین سو سال قبل مقدونیہ کے سکندر نے اس علاقے کو فتح کیا۔اس زمانے میں بھی یہاں آبادی موجود تھی۔ سیّد محمد لطیف (1850ء۔1902ء) نے قیاس کرتے ہوئے لکھا ہے:

> جس شہر کی نسبت بیان ہے کہ سکندر نے اُسے مضبوط حالت میں پایا اور نہ صرف اس کے گرد شہر پناہ تھی بلکہ وہ دلدل اور کیچڑ سے گھرا ہوا تھا۔ کیونکہ جس زمانے میں سکندر اعظم پنجاب آیا تھا وہ بارش کا زمانہ تھا۔یقین کیا گیا ہے کہ وہ شہر لاہور ہی تھا۔ گو لاہور اس زمانہ میں ٹھیک اسی مقام پر نہ تھا کہ جہاں اب واقع ہے۔ بلکہ کہیں اس کے آس پاس ہوگا۔ صرف حالات کا اجتماع اس قیاس کی طرف لے جاتا ہے کیوں کہ یونانی مؤرخوں نے شہر کا نام نہیں لکھا۔(۲)

لاہور قدامت اور وجہ تسمیہ سے متعلق حتمی طور پر تو کچھ نہیں کہا جاسکتا۔البتہ مؤرخین اور محققین نے اس ضمن میں اپنی آراء ضرور قائم کر رکھی ہیں۔ کرنل بھولا ناتھ وارث (1867ء۔1936ء) نے لاہور کی قدامت کے حوالے سے اسے ساتویں صدی تک نامعلوم شہر کے طور پر قیاس کیا ہے۔ان کا خیال ہے:

ستویں صدی عیسوی تک لہور یاں ہے نہیں سی۔ جے ہے سی تاں اجیہا پنڈ سی جو اوس دا اتہاسکاں تے یاتریاں نے ناں توڑی نہیں لیا۔(۳)

کنہیا لال (1830ء۔1888ء) نے لاہور کی قدامت کے حوالے سے شیخ احمد زنجانی کی کتاب رسالہ تحفۃ الواصلین کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس شہر کو اوّلین طور پر راجہ پرتھچھت نے آباد کیا۔ کسی قدر مدت کے بعد قحط وغیرہ سے یہ بستی ویران ہوگئی اور صدہا سال تک ویران رہی۔ جب راجہ بکر ماجیت کا وقت آیا تو اس کے حکم سے دوبارہ اس کو آباد کیا گیا۔ اسی دوران بکر ماجیت کی موت ہوگئی اور سمند پال جوگی تخت نشین ہوا۔ سمند پال کے عہد حکومت میں یہ شہر مکمل آباد ہوا اور اس کا نام سمند پال نگری رکھا گیا۔ یہ آبادی بھی تادیر قائم رہی۔ ”لاہور“ کا وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے اُنہوں نے لکھا:

جب راجہ دیپ چند دہلی کے تخت پر بیٹھا تو اس نے پنجاب کا علاقہ اپنے برادر زادے لوہار چند کی جاگیر میں دے دیا۔ جب اس کا کامل تسلط پنجاب پر ہوگیا تو اُس نے اس شہر کو دارالحکومت بنایا اور اس کی آبادی وترقی میں بہت کوشش کی اور سمند پال نگری نام موقوف کر کے لوہار پور نام اپنے نام پر رکھا۔ جو مدت مدید میں بکثرت استعمال بگڑ کر لاہور مشہور ہوگیا۔(۴)

لاہور کی آبادکاری سے متعلق دوسرا نظریہ راما مہاراجہ اجدہیا سے منسوب ہے۔ جسے رام چند اوتار بھی کہا جاتا ہے۔ کنہیا لال (1830ء۔1888ء) نے خلاصہ التواریخ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رام چند اوتار کے فرزند ''لو'' نے یہ شہر آباد کیا تھا۔ اور نام ''لو پور'' رکھا تھا۔ اس بات کی تصدیق سیّد محمد لطیف (1850ء۔1902ء) نے یوں کی ہے:

اہل ہنود لاہور کے ساتھ راما مہاراجہ اجدہیا کا نام منسوب کرتے ہیں۔ راما کے دو فرزند ''لاؤ'' یا ''لوہ'' اور ''کسو/کشو'' نے لاہور وقصور کی بنیاد ڈالی۔(۵)

قدیم لاہور دریائے راوی کے بائیں کنارے سے دو میل دور ایک اونچے ٹیلے پر آباد تھا۔ سیّد محمد لطیف (1850ء۔1902ء) نے لکھا ہے کہ کسی زمانے میں دریا فصیل شہر کے قریب سے بہتا تھا اور 1663ء میں سیلاب کی وجہ سے شہر کو نقصان پہنچنے کا خطرہ لاحق ہوا تو اورنگ زیب عالمگیر (1618ء۔1707ء) کے عہد حکومت میں دریا کے بائیں کنارے پر ایک پختہ بند تعمیر کیا گیا جس سے دریا کا رخ شہر کی طرف سے پلٹ گیا۔ جب سلطان سبکتگین (942ء۔997ء) اور سلطان محمود غزنوی (971ء۔1030ء) نے ہندوستان پر حملے کیے تو اس وقت شہر لاہور ہندوؤں کا اہم مرکز اور ہندوستان کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ دہلی تک رسائی کے لیے اس شہر کا کنٹرول خاص اہمیت کا حامل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستان پر بیرونی حملہ آوروں کی پہلی نگاہ لاہور پر ہی پڑتی تھی۔ سیّد محمد لطیف (1850ء۔1902ء)

نے لکھا ہے:

یہ شہر بھاری جنگوں کا مقام رہا اور ہندوؤں کا ایک بڑا شہر خیال کیا جاتا رہا۔(۶)

لاہور مختلف ادوار میں جن افراد کے زیر تسلط رہا ان میں مہاراجہ رام چند، راجہ پر تھچھت ، راجہ بکرما جیت، سمند پال جوگی، لوہار چند اور جے پال برہمن کے نام قابل ذکر ہیں۔ دسویں صدی عیسوی میں جب سبکتگین (942ء۔997ء) نے یہاں حملہ کیا تو پورے صوبے کو لاہور کہا جاتا تھا۔ جس کا دارالحکومت مندھ کور یا مندکاکور تھا۔ لاہور شاہان چغتائی، تغلق، خلجی اور لودھی سلاطین کے عہد میں دہلی تک سفر کا اہم راستہ تھا۔ مغلیہ عہد میں جب صوبے کا نام پنجاب رکھا گیا تو لاہور کو دارالحکومت بنا دیا گیا۔ مغلیہ عہد میں لاہور کو دارالسلطنت کا درجہ بھی حاصل رہا۔ تاریخی اعتبار سے لاہور کو لہاور، لہانور، لوپور، لوہر، سمند پال نگری، محمود پورہ، لوکلا، لوہکوٹ، لوہاراور رہوار وغیرہ کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ کنہیا لال (1830ء۔1888ء) کے مطابق:

پہلی تاریخوں میں اس کا نام کہیں لہاور اور کہیں لہانور اور کہیں لوپور اور کہیں لاہور تحریر ہے۔(۷)

مغل بادشاہ اکبر (1542ء۔1605ء) نے لاہور شہر کے گرد بلند وبالا اور مضبوط فصیل تعمیر کروائی۔ اس فصیل میں ہر دس برجوں کے بعد ایک دروازہ تعمیر کیا گیا۔ اس زمانے میں شہر لاہور کے بارہ دروازے اور ایک چھوٹا موری دروازہ تھا۔ موری گھر یا شہر میں پانی کی ترسیل کے راستے کو کہتے تھے۔ اس لفظ کو پنجابی شعراء نے اپنے کلام میں کئی جگہوں پر استعمال کیا ہے۔ شاہ حسین (1539ء۔1599ء) نے بھی اپنی ایک کافی میں موری کا ذکر کیا:

سجنا! اسیں موریوں لنگھ پیاسے
بھلا ہویا گُڑ مکھیاں کھادا اسیں بھن بھن توں چھٹیاسے
ڈھنڈ پرانی کتیاں لکی، اسیں سرور مانہیں دھوتیاسے
کہے حسین فقیر سائیں دا اسیں ٹپن ٹپ نکلیاسے(۸)

لاہور کے بارہ دروازوں میں دہلی دروازہ، اکبری دروازہ، موتی/موچی دروازہ، شاہ عالمی دروازہ، لہاری/لوہاری دروازہ، بھاٹی دروازہ، ٹکسالی دروازہ، روشنائی دروازہ، مستی دروازہ، کشمیری دروازہ، خضری/شیرانوالہ دروازہ اور ذکی/ یکی دروازہ شامل ہیں۔

لاہور کے عظیم صوفی بزرگوں میں حضرت داتا علی ہجویریؒ (1012ء۔1077ء)، حضرت میاں میر قادریؒ (1550ء۔1615ء)، حضرت میاں موج دریاؒ (1533ء۔1604ء)، حضرت شاہ ابومعالیؒ (1552ء۔1615ء)، حضرت شاہ جمال لاہوریؒ (1588ء۔1671ء)، حضرت خواجہ طاہر بندگیؒ

(1576ء۔1630ء)، حضرت مولانا شاہ محمد غوثؒ (1680ء۔1740ء) اور حضرت شاہ عنایت قادریؒ (1643ء۔1728ء) مشہور ہیں۔ مذکورہ بالا تمام اولیائے کرام اور دیگر سینکڑوں بزرگوں کے مزارات پر اُن کے یوم وصال کی مناسبت سے عرائس کی سالانہ محافل کا انعقاد باقاعدگی سے ہوتا ہے۔ ان تمام بزرگوں کے عرائس مذہبی رنگ سے مزین ہیں۔ جب کہ لاہور کے قدیم صوفی شاعر حضرت شاہ حسین لاہوریؒ (1539ء۔1599ء) اور ان کے مرید خاص حضرت مادھو لال قادریؒ (1577ء۔1647ء) کا سالانہ عرس نہ صرف مذہبی عقیدت واحترام بلکہ ثقافتی تہوار کے طور پر بھی منایا جاتا ہے۔ تقسیم ہند سے قبل مادھو لال حسین کے سالانہ عرس کے موقع پر لگنے والا میلہ نہ صرف پنجاب بلکہ پورے ہندوستان کا سب سے بڑا ثقافتی اجتماع تھا۔

شاہ حسین لاہوریؒ (1539ء۔1599ء) ایسی شخصیت اور کردار کے مالک صوفی کا نام ہے جو ہندوستان کے مخلوط معاشرے کی تہذیب وثقافت کا سب سے بڑا علمبردار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صدیوں سے آپؒ کا عرس ثقافتی تہوار کے طور پر منایا جارہا ہے۔ شاہ حسینؒ (1539ء۔1599ء) کے اجداد فیروز شاہ (1309ء۔1388ء) کے زمانے میں ہندو مذہب ترک کر کے مسلمان ہوئے تھے۔ اُن کے والد شیخ عثمان راجپوت خاندان کی شاخ کلسرائے یا ڈھجس رائے سے تعلق رکھتے تھے جب کہ والدہ ڈاہڈا راجپوت تھیں۔ والد جولاہے کا کام کرتے تھے۔ حسین (1539ء۔1599ء) نے سماجی تضادات اور طبقاتی تقسیم کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اپنے اجداد کے کام دھندے کے علاوہ باقی تمام باتوں کی نفی کی ہے۔ ان کا کہنا ہے:

انی حسینو جولاہا
نہ اس مول نہ لاہا
نہ اوہ منگیا نہ پرنایا
نہ اوس گنڈھ نہ ساہا
نہ گھر باری نہ اوہ مسافر
نہ اوہ مومن نہ اوہ کافر
جو آہا سو آہا (۹)

حسین 1539ء کو لاہور کے علاقے ٹلہ بگا (موجودہ اندرون ٹکسالی دروازہ) میں پیدا ہوئے۔ والدین غریب لوگ تھے۔ حسین کو بچپن ہی سے کھڈی کے کام میں والد کا ہاتھ بٹانا پڑا۔ تھوڑے سمجھدار ہوئے تو محلے کی مسجد میں قرآن مجید پڑھنے کے لیے جانا شروع ہو گئے۔ یہاں ان کے استاد مولوی ابوبکر تھے۔ دس سال کی عمر تک حسین (1539ء۔1599ء) نے سات سپارے حفظ کر لیے۔ اسی دوران ماہ رمضان کی آمد سے قبل ایک بزرگ شیخ بہلول قادریؒ (1517ء۔1634ء) مختلف ملکوں کی سیاحت کرتے

ہوئے لاہور میں مولوی ابوبکر کے مہمان ہوئے۔اُنہوں نے اپنے میزبان سے حسین نام کے بچے کی بابت پوچھا۔مولوی صاحب نے ان کی ملاقات حسین سے کروائی تو اُنھوں نے حسین کو دریائے راوی سے پانی لینے کے لیے اپنا کوزہ دے کر بھیجا۔حسین پانی لینے گئے تو وہاں ان کی ملاقات امیر البحر حضرت خضر علیہ السلام سے ہوگئی۔حسین پانی لے کر واپس پہنچے اور شیخ بہلول کو سارا واقعہ سنایا۔شیخ نے اُنہیں ق محبت و شفقت سے نوازا۔رمضان کی آمد پر شیخ نے حسین کو نماز تراویح کی امامت کا حکم دیا۔سات سپارے سنا چکنے کے بعد شیخ نے حسین کو روحانی توجہ دی تو اُنہیں بقیہ تیئس سپارے بھی حفظ ہوگئے اور اُنہوں نے پورا قرآن مجید نماز تراویح میں سنا دیا۔

حسین (1539ء۔1599ء) کی زندگی کا صوفیانہ پہلو یہیں سے نمایاں ہوتا ہے۔وہ دریائے راوی کے کنارے شب بیداری کرتے اور مجاہدے میں مصروف رہتے۔ دن کے وقت داتا صاحبؒ (1012ء۔1077ء) کے مزار پر باقاعدگی سے حاضری دیتے۔تصوف کی منزلیں تیزی سے طے کرتے ہوئے حسین پر کیف و مستی اور جذب کی کیفیت اس وقت طاری ہوئی جب تفسیر پڑھتے ہوئے وہ قرآن مجید کی اس آیت پر پہنچے:

وَمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ

اور یہ دنیا کی زندگی تو کھیل اور تماشے کے سوا کچھ نہیں۔(۱۰)

حسین (1539ء۔1599ء) مسجد سے نکل گئے۔اُنہوں نے دنیاوی زندگی کو ترک کر دیا اور کیف مستی کی کیفیت میں ان سے کرامات کا ظہور ہونے لگا۔حسین نے اپنی روحانی حیثیت کو چھپانے کے لیے داڑھی منڈوا دی اور ملامتی رنگ اختیار کرلیا۔سرفراز حسین قاضی (1938ء۔1995ء) نے حسین کی اس روحانی کیفیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

> ملامتیہ فرقے والے داخلی تے باطنی لحاظ نال پورے تے مکمل ای ہندے نیں۔ایہناں دا ظاہر ہور ہونداا ے تے باطن ہور تے اصلی گل باطن دی ہوندی اے۔جیہدا ظاہر نوں علم نہیں ہوندا تے نہ ای ہوسکدا اے۔(۱۱)

حسین (1539ء۔1599ء) نے اپنی روحانی کیفیات کو چھپانے کے لیے جو باغیانہ انداز اختیار کیا یہ انداز عام عوام کو بھا گیا اور لوگ ان کے معترف اور معتقد ہوتے گئے۔لیکن ایک غریب باپ کے خود کو حسینو، حسینا، ڈاہڈا، فقیر اور جولاہا کہنے والے غریب بیٹے کی معاشرتی اور مذہبی قیود سے بغاوت اہل اقتدار اور ارباب اختیار کے لیے ہرگز قابل قبول نہیں تھی۔حسین (1539ء۔1599ء) نے خود کو چھپانے کے لیے جو ڈھنگ اختیار کیا اسی ڈھنگ نے اُنہیں عریاں کر دیا۔یہی وجہ تھی کہ حسین کا تذکرہ مجالس امراء

اور شاہی محلات میں بھی ہوا۔ شہزادہ دارا شکوہ (1615ء۔1659ء) کے حوالے سے محمد آصف خان (1929ء۔2000ء) نے حسین کی کیفیات کو یوں بیان کیا ہے:

اس کا عجب مشرب تھا صبح سے شام گانے بجانے والوں کے ساتھ تمام شہر میں داڑھی منڈا کر پھرا کرتا تھا۔ کوئی اس پر غالب نہ ہوتا تھا۔ قرآن کا حافظ تھا اور آیتوں کا عجیب وغریب معنی بیان کرتا تھا۔ اور تمام دن میں ایک مرتبہ قرآن مجید ختم کرلیا کرتا تھا۔ (۱۲)

56 سال کی عمر میں حسین کی ملاقات شاہدرہ کے ایک 18 سالہ برہمن لڑکے مادھو (1577ء۔1647ء) سے ہوتی ہے۔ دونوں میں اس قدر تعلق بڑھا کہ مادھو نے حسین کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ کہا جاتا ہے کہ مادھو کو اکبر کا ایک کمانڈر راجہ مان سنگھ اپنی فوج میں بھرتی کر کے دکن لے گیا تو پیچھے حسین قریباً 63 برس کی عمر میں 1599ء کو انتقال کر گئے۔ مگر اپنے انتقال سے قبل یہ لازوال کلام کہہ گئے:

دنیا توں مر جانا، وت نہ آونا
جو کجھ کیتا برا بھلا وو، کیتا اپنا پاونا
آدمیوں پھر مردہ کیتا، متر پیاریاں چولا سیتا
گورا زل پہچاونا (۱۳)

اپنے وصال سے قبل حسین (1539ء۔1599ء) چند دوستوں کو لیکر دریائے راوی کے دائیں کنارے شاہدرہ گئے اور ایک جگہ کی نشان دہی کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے یہاں دفن کرنا۔ تیرہ برس بعد دریائے راوی میں سیلاب کی وجہ سے میری قبر کو نقصان پہنچے گا تو میری قبر کو بابو پورہ (باغبان پورہ) میں منتقل کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حسین (1539ء۔1599ء) کے وصال کے بعد مادھو (1577ء۔1647ء) ان کے واحد مرید وخلیفہ ہوئے۔ ازاں بعد جب مادھو کا وصال ہوا تو ان کی قبر بھی حسین کے ساتھ ہی بنائی گئی۔ مادھو (1577ء۔1647ء) نے بھی اپنے مرشد کے کلام کو سچ کر دکھایا:

نی سیو! اسیں نیناں دے آکھے لگے
جنہاں پاک نگاہاں ہوئیاں، کہیں نہ جاندے ٹھگے
کالے پٹ نہ چڑھے سفیدی، کاگ نہ تھیندے بگے
شاہ حسین شہادت پائیں، مرن جو متراں دے اگے (۱۴)

اس طرح دنیا میں قائم ہونے والی عقیدت ومحبت نے پیر مرید کو فنا وبقا کی منازل سے ایسے گزارا کہ آج لوگ ''مادھولال حسین'' کو دو نہیں بلکہ ایک ہی فرد سمجھتے ہیں۔ یہ دو انسانوں کی باہمی محبت ہی نہیں بلکہ دو تہذیبوں کا ملاپ بھی تھا۔ جس کی یاد گذشتہ چار سو سال سے ایک تہذیبی اور ثقافتی تہوار کے طور پر منائی جا رہی ہے۔

اس ثقافتی تہوار کا آغاز مغلوں کے تعمیر کردہ مشہور شالا مار باغ کے باہر میلہ شالامار کے عنوان سے ہوا۔ یہ میلہ شاہ حسین اور مادھولال کے سالانہ عرس کی مناسبت سے ہر سال 15 بیساکھ کو منایا جاتا تھا۔ اسے پنجاب کے سب سے بڑے ثقافتی اجتماع کی حیثیت حاصل تھی۔ پنجاب کے کسان اپنی فصلوں کی کٹائی سے فارغ ہوکر جوق در جوق مادھولال حسین کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لیے بھنگڑا ڈالتے ہوئے اس میلے میں شریک ہوتے تھے۔ دور دراز علاقوں سے لوگ اپنی مصنوعات یہاں لاکر فروخت کرتے تھے۔ تقسیم ہند سے قبل مذہب کی تفریق سے بالاتر ہوکر ہندو، مسلم، عیسائی اور سکھ اس میلے میں بھرپور شرکت کرتے تھے۔ شاہ جہان (1592ء۔1666ء) کے عہد میں ایک ہسپانوی سیاح کے حوالے سے ڈاکٹر سیّد اختر حسین اختر (1937ء۔2011ء) نے لکھا ہے:

> لاہور میں 15 بیساکھ کو باغبان پورہ کے شمال میں ایک ولی اللہ مادھولال حسین کے مزار پر بہت بڑا میلہ لگتا ہے۔ میں نے پورے ہندوستان میں اتنا بڑا ہجوم کہیں نہیں دیکھا۔ اور اس میلہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ بادشاہ نے ان دنوں لاہور میں باہر سے آنے والی اشیاء پر محصول معاف کررکھا ہے۔ جس کی وجہ سے مختلف اشیاء ہندوستان کے کونے کونے سے یہاں جمع ہوجاتی ہیں۔ پنجاب کے دیہاتی اس میلے میں طرح طرح کی بولیاں بولتے ہیں اور لوک گیت گاتے اور رقص کرتے ہیں۔ انہیں دیکھنے کے لیے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔ سارا شہر بھی اُمڈ آتا ہے۔ شاہی محل کے افراد بھی شریک ہوتے ہیں۔ (۱۵)

ازاں بعد موسم بہار کا یہ میلہ 15 بیساکھ کی بجائے ہر سال مارچ کے آخری ہفتے اور اتوار کو مغلوں کے خوبصورت ترین شالامار باغ میں منعقد ہوتا رہا۔ 1940ء سے یہ میلہ باغ سے باہر حضرت شاہ حسین لاہوریؒ (1539ء۔1599ء) کے مزار کے اردگرد لگنا شروع ہوگیا۔ ہفتہ کی شام کو مزار پر واقع ایک خاص چبوترے پر الاؤ روشن کیا جاتا ہے۔ مزار کے اطراف میں بے شمار چراغ جلائے جاتے ہیں۔ جس سے درگاہ اور اردگرد کا تمام علاقہ بقعۂ نور بن جاتا ہے۔ اسی چراغاں کی وجہ سے اس ثقافتی اجتماع کو میلہ چراغاں کا نام دیا گیا ہے۔

اس میلے میں لوگ رات بھر لوک گیتوں، قوالیوں، بولیوں، کافیوں اور دیگر صوفیانہ کلام کو گا کر سماباندھتے رہتے ہیں۔ اپنے اپنے انداز سے شاہ حسین لاہوریؒ (1539ء۔1599ء) اور مادھولال قادریؒ (1577ء۔1647ء) کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ خاص طور پر جب کوئی متوالا دل کے سوز کو حسین کے کلام سے ہم آہنگ کر کے اپنے دکھ اور درد کی کتھا سنانے کے لیے ماں کو پکارتا ہے تو کیا خوب سما بندھ جاتا ہے:

مائے نی میں کیہنوں آکھاں، درد وچھوڑے دا حال
دھواں دھکے میرے مرشد والا، جاں پھولاں تاں لال
سولاں مار دیوانی کیتی، برہوں پیا خیال
دکھاں دی روٹی، سولاں دا سالن، آہیں دا بالن بال
جنگل بیلے پھراں ڈھونڈیندی، اجے نہ پایو لال
کہے حسین فقیر نمانا، شوہ ملے تاں تھیواں نہال (۱۶)

اس میلے میں انواع واقسام کی مٹھائی اور دیسی وولایتی کھانوں کے ساتھ ساتھ قسم ہا قسم کے برتنوں، کھلونوں، کپڑوں اور ضروریات زندگی کی اشیاء کی خرید وفروخت کے علاوہ مختلف علاقائی کھیلوں کے مقابلہ جات بھی اس میلے کے حُسن اور رونق کو دوبالا کرتے ہیں۔ اس میلے میں مختلف ملکی وغیر ملکی فن کار اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سما باندھتے ہیں۔ عرس کی دوروزہ تقریبات کے انعقاد پر شہر لاہور میں عام تعطیل ہوتی ہے۔ اگرچہ عرس کی تقریبات دو دن میں ختم ہوجاتی ہیں تاہم کاروباری سرگرمیاں دیر تک چلتی رہتی ہیں۔ فی زمانہ لاہور کا میلہ چراغاں قدامت وجدت کا حسین امتزاج ہونے کے باوجود ہندوستان کی قدیم تہذیب وتمدن مخلوط معاشرے کی اہم ترین نشانی کے طور پر باقی ہے۔

☆☆☆☆

# حوالے


1۔ محمد لطیف، سیّد۔ تاریخ پنجاب مع حالات شہر لاہور (لاہور: بک ٹاک، 2006ء) 12

2۔ حوالہ سابق 15

3۔ بھولا ناتھ وارث، کرنل۔ تاریخ شہر لہور، دوجا ایڈیشن (لاہور: گراف، 1998ء) 16

4۔ کنہیا لال۔ تاریخ لاہور (لاہور: بک ٹاک، 2006ء) 14

5۔ محمد لطیف، سیّد۔ تاریخ پنجاب مع حالات شہر لاہور 16

6۔ حوالہ سابق 16

7۔ کنہیا لال۔ تاریخ لاہور 13

8۔ محمد آصف خان (سودھن ہار)۔ کافیاں شاہ حسینؒ، چوتھا ایڈیشن (لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، 1998ء) 66۔67

9۔ حوالہ سابق 141

10۔ القرآن، العنکبوت 29:64

11۔ سرفراز حسین قاضی، پروفیسر، ڈاکٹر۔ تصوف تے پنجابی دے صوفی شاعر، دوجا ایڈیشن (لاہور: عزیز بک ڈپو، 2003ء) 146

12۔ محمد آصف خان (سودھن ہار)۔ کافیاں شاہ حسینؒ، چوتھا ایڈیشن 23

13۔ حوالہ سابق 67

14۔ حوالہ سابق 66

15۔ اختر حسین اختر، ڈاکٹر، سیّد۔ پنجاب کی لوک ریت (لاہور: لہراں ادبی بورڈ، 2001ء) 242

16۔ محمد آصف خان (سودھن ہار)۔ کافیاں شاہ حسینؒ، چوتھا ایڈیشن 109


☆☆☆☆